ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.2(2024)
(April to June)

معاشی دباؤ اور اخلاقی زوال: "راجہ گدھ" کے علامتی نظام اور جدید دور کی بدعنوانی کے تناظر میں

(Economic Pressure and Moral Decay: The Symbolism in "Raja Gadha" and the Context of Modern Corruption)

ڈاکٹر اسد محمود خان

ناول نگار و افسانہ نگار، عزیز بھٹی لالونی، لاہور

ڈاکٹر ظہیر عباس

اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ زبان و ادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Dr. Asad Mahmood Khan
Novelist and Short story Writer, Aziz Bhatti Colony, Lahore
Dr. Zaheer Abbas
Assistant Professor, Institute of Urdu Language and literature, Punjab University, Lahore

Abstract:
This paper explores the vulture symbolism in Bano Qudsia's "Raja Gidh," analyzing its relevance to modern corruption and socio-economic challenges. Stemming from the novel's significance in Urdu literature, the research aims to parallel vulture symbolism with contemporary economic pressures and moral decay, reflecting on societal norms. Using a qualitative approach and thematic analysis, it uncovers nuanced connections between literary symbolism and socio-economic realities, highlighting the interplay between economic pressures, moral compromises, and societal corruption. The findings recommend ethical awareness, responsible governance, and moral education as solutions to modern corruption, contributing to a deeper understanding of ethical dilemmas and promoting critical thinking. Overall, this study underscores the enduring relevance of literary symbolism in addressing pressing socio-economic challenges and provoking critical reflections on human nature and societal ethics.

Keywords: Raja Gidh, Vulture, Symbolism, Corruption, Socio-Economic Challenges, Moral Decay, Economic Pressure, Ethical Awareness

علامتیت، اظہاریے کی اِفشا و اِخفا صورتوں کی تفہیم کا معاملہ ہے۔ اظہار، اظہار کی خواہش انسانی فطرتی جذبہ اور ضرورت ہے جو جذبات، خیالات اور رویے کی مناسب میڈیم میں سلیقہ مند ترسیل کا معاملہ سنبھالتا اور نبیڑتا ہے۔ جذبات و خیالات کے تحرک سے بے خبری یا عدم واقفیت، علم و آگہی پر تجاہل یا چشم پوشی، ادراک کے دامن میں فرار یا فراز کا معاملہ دراصل اظہاریے کی اِفشا و اِخفا صورتوں میں علامتیت کا معاملہ ہوتا ہے جو تفہیم و ترسیل کا کام قضیہ نبیڑتا ہے۔ اظہاریے کے تہہ داری برتاؤ میں علامت نگاری کو ایک بنیادی حثیت حاصل ہے جہاں پیش معانی، پس معانی کے مقابل وجودی بقاء کی کش مکش میں گم دکھائی دیتے ہیں جب کہ دونوں کے مقابل زاویہ ہائے تنوع کا حاصل انفرادی تفہیم و تجسیم کا سراپا ہوتا ہے۔ علامتیت، انیسویں صدی کی اصنافِ ادب میں برتا جانے والا ایک غالب رویہ جس نے اظہاریے کی ضرورت کے تحت جنم لیا اور تخلیقی دانست کے طور پر پروان چڑھا۔ ادب میں علامتیت ایک ہمہ

صفتی اور مقتدر ادبی اختراح ہے جسے تخلیق کاروں نے تخلیق میں معانوی تہہ داری کے اظہار اور خوابیدہ احساسات و خیالات کی تجسیم کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہ ایک ایسی تجسیم ہوتی ہے جو تشکیلی و تفہیمی تہہ داری کے درمیان اپنا سراپا بناتی ہے اور جس کا تعلق تخلیق کی عامیانہ تفہیم سے کہیں بعد کا منظر کھولتا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی، "علامت کی پہچان" دریافت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> " علامت، دراصل استعارہ اور تمثیل کے بیچ کی چیز ہے البتہ علامت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ فرد پر انواع کی نیم شفاف روشنی کی تاثیر پیدا کرتی ہے یعنی ایک ہی وقت میں عام بھی ہے اور خاص بھی۔"(۱)

انیس اشفاق، علامتی اظہاریے کی معنویت کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ادبی علامت ظاہری اور سطحی مفہوم کے ساتھ ساتھ دوسرے مفاہیم کی بھی حامل ہوتی ہے۔ اس میں معنی و مفہوم کا کوئی حتمی تعین نہیں ہوتا اور بیان واقع کے علاوہ دوسری توجیہات و تاویلات کا جواز بھی موجود رہتا ہے۔ اس طرح علامت کے ذریعے بیان کردہ اصل حقیقت کے علاوہ ہم پر کوئی نہ کوئی و دوسری حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے۔"(۲)

قدیم اُسطُوری کہانیوں، اساطیری داستانوں، مذہبی تحریروں اور جدید اصنافِ سخن سے لے کر معاصر ادبی میلانات و رجحانات تک، علامتیت ادبی دنیا میں برتا جانے والا ایک مستقل اور مسلسل تخلیقی آلہ ہے جو تخلیق میں عمومی حقائق اور زیریں تخلیقی لہر پر محوِ سفر لہر دار فہمائش کو کنارہ عطا کرنے کا سامان کرتی ہے۔ دوسری جانب یہی تخلیقی نِگاہ فُسُوں کار قاری پر کچھ ایسے بھیدوں کا در وَا کرتی ہے جو متنوع المزاج تصورات اور موضوعات پر زاویہ ہائے نگاہ کی تازگی اور وارفتگیِ خیال کو بیدار کرنے کا ایک خوبصورت موقع فراہم کرتا ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud) نے ایسی ہی گومگو کیفیت بارے کہا تھا:

> "وہ جذبات جو اظہار کی صورت نہیں پاتے، کبھی نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ دفن رہتے ہیں اور بعد ازاں ایک ڈراؤنے خواب کی صورت میں سامنے آ جاتے ہیں۔"(۳)

یہی وجہ ہے کہ انسان اظہار کے لیے الفاظ، آواز، تخیل، تخلیق، رنگ، آہنگ، اعضاء اور افشاء صورتوں کی پیش کاری کا ڈھنگ ڈھونڈتا ہے۔ پیش کاری کی یہی صورتیں فن اور فنونِ لطیفہ کی تعبیر و تشریح کرتی ہیں۔

البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) فن کے ایسے اظہار کو خیالات کے سادہ ترین انداز سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "فن گہرے اور پیچیدہ خیالات کا سادہ اور موثر ترین انداز میں اظہار ہے۔"(۴)

اظہاریے کی خواہش کیوں کر جنم لیتی ہے! اس کی آسان تفہیم تک رسائی کے لیے سید احتشام حسین لکھتے ہیں:

"غرضِ منتہاء کی آخری کڑی بظاہر واحد ہونے کے باوجود کوئی ہلکی پھلکی سریع الفہم قدر نہیں ہے اور اس کی تشریح، تاویل اور تحلیل کوئی سیدھی سادھی بات نہیں بلکہ خود ایک الجھی ہوئی گتھی ہے۔ ایک بہت پُر پیچ گرہ ہے جس کے کھولنے کی کوشش افلاطون اور ارسطو کے زمانہ سے تا ایندم جاری ہے۔"(۵)

ادب زندگی زندگی کی کش مکش کے اظہار کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ اظہاریے کی خواہش کا جنم باطنی تجربہ، نفسیاتی ردِ عمل، طرزِ عمل یا اظہاری ردِ عمل کی تکوین کے درمیان ہوتا ہے جہاں شدتِ جذبات، احساس اور خیال کی باہمی وارفتگی کا دامن بڑھاتے ہوئے ایک زاویہ ءنگاہ پر متحرک نقوش وَا کرتے ہیں۔ وزیر آغا لکھتے ہیں کہ تخلیقی عمل وجود کی زنجیروں اور حد بندیوں کو توڑ کر از سر نو جنم لینے کا عمل ہے۔ جب زندگی کسی تازگی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ایک بنے بنائے راستے کی گہری لکیروں میں مقید ہوتی اور ایک فرسودہ اور پامال سے اسلوب میں ڈھل جاتی ہے تو یہ گویا اس کی تدریجی موت کا اعلان ہے۔ ایسے میں خود وجود کے اندر ایک بے قراری سی ہستی ہمکنے لگتی ہے اور پھر اپنے خول کو توڑ کر باہر آتی اور پھر اپنے اس عمل سے موت کو شکست دے ڈالتی ہے۔

ادب اور اظہاریے کے باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے کارل جی جنگ (Carl G. Jung) رقمطراز ہے:

"انسان اپنی علامت سازی کے رجحان کے ساتھ لاشعوری طور پر اشیاء یا شکلوں کو علامتوں میں تبدیل کرتا ہے (اس طرح انہیں بڑی نفسیاتی اہمیت دیتا ہے) اور اپنے فن میں ان کا اظہار کرتا ہے۔"(۶)

تخلیق کی تجسیم اور تخلیق کی تفہیم کے مابین ایک فطری تعلق ہوتا ہے جو پہلے تخلیق کار پر اثر کرتا اور بعد ازاں قاری پر تاثیر قائم کرتا ہے۔ یہی باہمی جڑت اور تعلق، علامتیت کی تہہ داری، تخلیق کا سبب، ترسیل کا سامان اور تفہیم کی سہولت کی تکوین مکمل کرتی ہے۔ فریڈرک کلارک پریسکاٹ (Frederick Clarke Prescott)، علامتیت کو تخلیق کار کے فطری جذبے سے جوڑتے ہوئے لکھتا ہے:

"تمام انسانی فکر بالآخر رشتوں اور یکسانیت کی پہچان کے ذریعے آگے بڑھتی ہے، مشابہت کی پہچان کا نتیجہ علامتیت ہے۔"(۷)

آنند کے کمار سوامی، قدیم علامتیت کے فلسفہ اور منطق سے قدرے انحراف کرتا ہے۔ اُس کی نظر میں علامت، تصور اور تصویر کے دائروں اور رنگوں میں گم ہو جانے کا نام نہیں بلکہ یہ تو اس الجھاوے میں ایک روشن راستے جیسی ہوتی ہے جو تخلیق کار اور قاری کا مقصود ہوتا ہے، ایسے میں لکھتا ہے:

"علامتیت کا مقصد خیالات و جذبات کا اظہار کرنا نہیں بلکہ فلسفہ کی منطق اور مابعد الطبعیات کی زبان تک رسائی کو ظاہر کرنا ہے۔"(۸)

ادب میں علامتیت، خیال سے تجسیم اور خواب سے تعبیر کی سمت مسافت کا معاملہ ہوتا ہے۔ عام فہم میں خیال میں کھلنے والی کھڑکی کا منظر خواب میں جاگنے والے منظر جیسا ایک تجربہ ہوتا ہے جو خوابنے والے کو انسانی تجربے کی پیچیدگیوں کی مسافت طے کرنے اور خود شناسی کے تفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ مبہم، مدہم اور مدغم خیالات، بپھرے، بکھرے اور بے چین جذبات، نئی، نرالی اور نمائندہ تعبیرات کی جان کاری اور پیش کاری کی صورت ہوتی ہے جہاں بسا اوقات خیالات و جذبات اور تعبیرات و تعبیرات مخصوص

سیاق و سباق سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ تخلیق کی ایسی جاندار پیش کش، قاری کو اپنی کیفیات کے ساتھ جوڑ لیتا ہے جو تخلیقی دائرے میں سفر کرتا، علامتیت کی تعبیر میں کسی نئی منزل پر بھی جا نکلتا ہے۔ یہ صورت تخلیق، تخلیق کار اور قاری سب کے لیے ایک منفرد اور پُر کیف تجربے کا حاصل ہوتی ہے۔ علامتیت، ادبی چاشنی کے ساتھ سیاسی، سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی تجربات کے اظہاریے کا بھی ایک منفرد انداز ہے جو اخفا کو افشا کرنے کا مضبوط جواز مہیا کرتا ہے۔ جیسے جارج اورول، ایلڈس ہکسلی، اور مارگریٹ ایٹ وڈ یا انتظار حسین، رشید امجد، سریندر پرکاش نے علامتیت کے استعمال کو ماہرانہ چابکدستی سے برتتے ہوئے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی تجربات کی روشنی قاری کے مقابل رکھ کر ایک نئی راہ روشن کرنے کی سعی کی ہے۔

ادب، اظہاریے کی براہ راست تجسیم کا حاصل تو ہو سکتا ہے لیکن براہ راست تفہیم کا حاصل بھی ہو، یہ امکان رد بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں براہ راست اظہاریے کے مقابل بالواسطہ اظہاریے کی پہلو داری اور معانوی تہہ داری، کثیر الجہتی اور کثیر المعانی تصور کی جاتی ہے جو تخلیق کار اور قاری کی اپنی اپنی صواب دید اور اپنی اپنی توفیق کا معاملہ ہو سکتی ہے، بہر حال دونوں کے درمیان تخلیق اپنے پورے وجود کے ساتھ سراپا تفہیم کی منتظر رہتی ہے۔ ادب میں بالواسطہ اظہاریے کے رائج اطوار و اسالیب میں تشبیہ، استعارہ، تمثیل، کنایہ اور علامتیت اپنی اپنی حیثیت میں قابل قدر تصور کیے جاتے ہیں البتہ آخر الذکر میں خیال و معانی کی تہہ داری، تخلیق کار اور قاری دونوں کی تجسیم شناسی کا سامان کرنے میں اہمیت کی حامل دکھائی دیتی ہے۔ یہاں ظاہری و سطحی صورتوں سے علاوہ انفرادی اور ذاتی توجیہات، دلائل اور اسباب کا قوی جواز موجود ہوتا ہے جو براہ راست پیش کاری کا حسن مانند کرتا ہے۔ اگرچہ ایک سیدھا سادھا بیانیہ جو اپنی پس معانوی تہہ داری میں منفرد اور خاصے کی شے دکھائی دیتا ہے۔

رولینڈ گرینے (Roland Greene)، علامتیت کے اظہاریے پر رقم طراز ہے:

> "علامتیت، ایک معنوی نکتہ آفرینی ہے جس میں تشبیہ، استعارہ، تجسیم اور تمثیل، اظہاریے کا ایک انداز پیش کرتی ہے۔ علات کے ذریعہ، اظہاریے کا بیان سطحی تفہیم سے زیادہ پُر معانی ہوتا ہے۔"(۹)

انیس اشفاق، "اردو غزل میں علامت نگاری" میں بیان کرتے ہیں:

> "علامت سے مراد وہ بیان ہے جس کے ذریعہ جو کہا جائے اس سے کچھ زیادہ اور کچھ الگ معنی مراد لیے جائیں۔ علامت ہمارے ذہن کو معنی کی کئی جہتوں کی طرف منتقل کرتی ہے اور اس کی خوبی یہی ہے کہ یہ ان میں سے ہر جہد کے لیے موضوع قرار پائے۔"(۱۰)

اردو ادب میں شاعری اور نثری میدانوں میں علامتیت کے استعمالات کا رجحان، انیسویں صدی کے رجحان کے ساتھ ہی شروع ہُوا جو بعد ازاں کثیر المعانی ادبی آلہ کی خوبی کے ساتھ سفر کرتا رہا ہے۔ یہ معنوی تاثیر، مفاہیمی تنوع پیدا کرنے میں اہمیت کا حامل ہے جو بالواسطہ تفہیم کے دائرے میں اپنا تخلیقی، تشکیلی اور تفہیمی سفر مکمل کرتا ہے۔ تشکیل و تفہیم کا یہ مسئلہ، تخلیق، تخلیق کار یا قاری کی تکوین میں محصور نہیں بلکہ یہ انسانی فطری رویوں کا حاصل ہے جو کسی نکتہ کی تہہ داری جہتوں تک رسائی کے لیے خود کار علامتی نظام کا حصہ ہوتا ہے۔

سوزین لینگر (Susanne K. Langer)، "علامتیت: ایک مطالعہ" میں لکھتی ہے:

" تقریر در حقیقت انسانی دماغ میں اس بنیادی عمل کا سب سے زیادہ فعال خاتمہ ہے
جسے تجربات کی علامتی تبدیلی کہا جاسکتا ہے۔"(۱۱)

ادب اور انسان کی باہمی جڑت، علامت اور اظہار کی باہمی جڑت کے درمیان ایک بنیادی تعلق کا قضیہ ہے جو خیال اور تخیل کو نظم و نثر یا کسی موثر پیرائے میں رکھ کر معنوی تاثیر کے الجھاوے میں سلجھاؤ کا سامان کرتا ہے۔ انسان اور ادب ایک لازم و ملزوم حیثیت کے حامل رکن ہیں جس طرح ادب، انسان کی زندگی سے جدا نہیں ہو سکتا، ویسے ہی انسان، خود کو فطری علامتی نظام سے الگ نہیں رکھ سکتا ہے۔ انسانی ذہین، ہر لمحہ اپنے گرد و پیش سے جڑی علامتوں کا ایک معقول ذخیرہ اکٹھا کرتا رہتا ہے جو تخلیقی تفہیم کے مدارج طے کرتے ہوئے، اول اول تخلیق کار کے ساتھ اور بعد ازاں قاری کے ساتھ اپنی کیفیات بیان کرتا ہے۔ یوں بظاہر ایک عام سی بات، علامتی نظام میں جا کر ایک خاصے کی بات بن جاتی ہے۔ ادب کا یہی طرزِ عمل، فعالیت کا کشٹ اٹھاتا ہے تو تخلیق کا حاصل ٹھہرتا ہے یہاں تخلیق نثر و نظم کا لبادہ پہنے، اپنے تخلیق کار اور قاری دونوں کے درمیان ایک رابطے کا معاملہ طے کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

تخلیقی اظہاریے کی پہلی قبول صورت کہانی کو کہا جاسکتا ہے جو تقریر و تنظیم کے دائروں میں تاثیر سنبھالے اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے۔ کہانی، داستان سے ناول میں داخل ہوئی تو دیگر لوازم کے ساتھ علامتی نظام کے لوازم بھی کہانی کا ساتھ نبھانے پہنچ گئے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ناول کو علامتوں کی ترسیل کا ایک موثر ذریعہ کہا جاسکتا ہے! اگرچہ اردو ناول کی عمر دیگر زبانوی ادب کی طرح اتنی زیادہ نہیں کہ اس کی تکمیلی جہات پر حرفِ راز کا بیان ممکن ہو اور نہ ہی اتنی مختصر کہ تشکیلی جہات کو احاطہ تحریر میں رکھ کر استفادے کی صورت نہ کی جائے۔ ایسے میں ناول میں برتی جانے والی تکنیک، اسلوب اور ترجیحات، اپنی تمام تر فنی حسیات اور حیثیات کے ساتھ حرف و معانی کے کٹہرے میں فہمائش کے مقابل کھڑی ہے۔ اردو ناول کی ترویج کا ایک اہم دور، وہی دور بنتا ہے جب علامتیت اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ ادب اور اصنافِ ادب میں اثر انداز ہو رہی تھی۔ یہی وہ دور بھی بنتا ہے کہ جس میں تخلیقی بغاوت اور معنوی تہہ داری کی پرتوں پر نئے نقش ثبت ہوئے۔ کہانی نے خبر اور ابلاغ کی حد سے باہر نکل کر تفہیم اور تعبیر کی منزل کو سفر باندھا۔ اردو ناول نگاری میں باقاعدہ علامتیت کا اظہاریہ کے لیے کئی اہم ناموں کا حوالہ بطورِ خاص پیش کیا جاسکتا ہے جب کہ دیگر کئی افسانہ نگاروں کو بحیثیت مجموعی اس ذیل میں رکھ کر کہانی اور علامتیت کے باہمی تعلق کو کھوجا جاسکتا ہے۔

نئی عالمی ضرورتوں نے نئی کہانی کو جنم دیا اور نئی کہانی نے نئی روایت کو گود لیا جس سے ناول نگاری میں بھی ایک انفرادیت در آئی۔ علامت کی تشکیل، جتنی اہمیت رکھتی ہے، اس سے کہیں زیادہ علامت کی تکمیل اور ترسیل اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ علامتی نظام کی تشکیل، تکمیل اور ترسیل کی تکوین دراصل کہانی، کردار اور علامت کی مسافرت پر موجود ادھوری منزل ہے جو ہر دور میں نئے جنم اور نئی تجسیم کے ساتھ سفر میں رہتی ہے البتہ جہاں معنوی دائروں میں بدلاؤ آتا ہے وہاں تفہیمی کڑیوں کا تسلسل بھی متاثر ہوتا ہے۔

گوپی چند نارنگ، علامت، تمثیل اور کہانی کے جوہر کی مثلث کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"نئی کہانی انحراف سے زیادہ اجتہاد اور انقطاع کے لمحوں کی پیداوار تھی۔ نئے کہانی کار فکر و احساس اور اظہار و اسلوب کے یکسر نئے مسائل سے دوچار تھے۔ ان کے دلوں میں ایک انجانا کرب اور نئی آگ تھی، جس کی وجہ سے نئی کہانی کا آبگینہ تندی صہبا سے پگھلنے لگا تھا۔"(۱۲)

شمیم احمد کے خیال میں اعلیٰ ادب، علامتی نظام کے بغیر تشکیل نہیں پا سکتا، لکھتے ہیں:

"عموماً اعلیٰ ترین تخلیقات میں حقیقت پسندی کا عنصر بہت کم اور تخیلی عناصر کی کار فرمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تخیل جب تک انسان کے لیے ایک بھرپور تجربہ نہیں بنتی، اُس وقت تک اس سے فکر و عمل کی وحدت ظہور میں نہیں آتی اور فکر و عمل کی وحدت کے بغیر کوئی معاشرہ یا قوم، داخلی واردات یا بھرپور معنویت کی کوئی علامت تخلیق نہیں کر پاتی۔ "(۱۳)

ناول میں کہانی نے کی نئی صورت نے لکھت پڑت میں معنوی تہہ داری کو نمایاں کر دیا۔ کہانی کاری، سادہ اور حقیقی بیانیہ کی ذیل سے نکل کر کہانی کی گھمن گھیریوں میں ایسا الجھا کہ تخلیق کار اور قاری، دونوں کی تفہیمی دائروں کی گنتی اور پھیر بڑھتے چلے گئے۔ کہانی نے بہروپ بدل کر داستان سے ناول اور ناول سے افسانے تک کا سفر طے کیا ہے۔ جس طرح شاعری میں لفظی استعمالات کو تشبیہ، استعارے، تمثیل، کنایہ یا علامتیت کی ذیل میں رکھ کر برتا جاتا ہے اور وقت کی تقسیم اسے زندہ علامتی نظام کا حصہ بنا دیتی ہے، ویسے ہی کہانی میں موجود کہانیوں کی پڑت انہیں وقت کے دائرے میں رکھ کر حقیقی بیانیہ کی پیداوار اسے کہانیوں کے ایک زندہ علامتی نظام کے مرکزے میں لے جاتی ہے جہاں، جہانِ معانی کی لہریں، تفہیم کے بحرِ بیکراں کا کنارہ تلاشتی دکھائی دیتی ہیں۔ یُوں خیال، تخیل اور تشکیل کی نوعیت یکسر بدل کر تجسیم، تعبیر اور تعمیر کی تکوین میں داخل ہو جاتی ہیں جہاں شعوری کوشش، منطقی استدال کے ساتھ ساتھ لاشعوری کیف و کشف کا حاصل بھی میسر ہوتا ہے۔

اردو ناول نگاری کی صنف میں بانو قدسیہ کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے جہاں ان کا ناول "راجہ گدھ" خصوصی طور پر علامتی نظام کے ساتھ الگ دکھائی دیتا ہے۔ "راجہ گدھ" میں کہانی کے پیرائے میں معاشرے، سماج، انسانی عقلیت، حسیت، احساسات، معاشی و معاشرتی دباؤ کے درمیان جنم لینے والے رویوں کا اتار چڑھاؤ، دل، دماغ اور عقل کا برتاؤ، محبت اور نفرت کے جذبات کی ترسیل، انسانی بالادستی اور کمزوری کے لمحات کا گھیراؤ، رزق کی تقسیم اور حلال و حرام کا عملی اظہاری، انسانی بے بسی، کمزوری، خود مختاری اور دباؤ کے درمیان برتے جانے والے رویوں کے گرد بنی ہوئی ایک کہانی ہے۔ "راجہ گدھ" کی سب سے نمایاں خصوصیت، انسانی نفسیات کی تہہ داری ہے جہاں سماجی رویوں کے درمیان انسانی اخلاقی اقدار اپنی تاثیر دکھاتی نظر آتی ہیں۔ ناول میں برتی جانے والی نفسیاتی تہہ داری تک رسائی، قاری کے لیے یوں آسان بنتی ہے جیسے وہ کہانی اندر موجود ہو اور کرداروں کے ساتھ چلتا ہوا کہانی کا برتاؤ خود پر اترتا دیکھ رہا ہو۔ کہانی کی یہ روانی اور ترسیل، جہاں کہانی کا قد بڑھاتی ہے وہاں کہانی کار کی فنی مہارت اور حس و نفسیات کا دامن بھی وسیع کرتی ہے۔ بانو قدسیہ کا پرکشش تحریری انداز انسانی زندگی کے سماجی اور معاشی پہلوؤں کے ساتھ انسانی نفسیاتی پہلوؤں کا بھی احاطہ پیش کرتا ہے۔ ناول میں ہمیں، کہانی کار بعض حساس نفسیاتی مسائل سے نمٹنے، انسانوں کی جدوجہد اور نفسیات سے پردہ اٹھانے کی نہ صرف کوشش کرتا ہے بلکہ کامیاب کوشش کرتا ہے۔ ناول کے چار حصوں میں، ایک نیا آغاز اور نئی تمثیل پیش کی اجتی ہے جو مجموعی جڑت اور تاثیر سے بھرپور کہانی کو روانی دینے میں معاون ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی، بانو قدسیہ کی کہانی کاری کے فکری اور نفسیاتی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بانو قدسیہ اپنے کردار کے فلسفیانہ رویے سے بڑے سے بڑے کام لیتی ہیں۔
وہ زندگی کے ہر فلسفے کو اس کی خام شکل میں قبول نہیں کرتیں بلکہ کردار کے رویے

کے ساتھ ساتھ وہ اپنے فلسفے کو کڑوی گولی پر شکر کوٹ کر کے قاری کو اس طرح دیتی ہیں کہ وہ شعوری طور پر اصل مسئلے کی تہ تک پہنچ جاتا ہے۔"(۱۴)

ادبی تناظر میں "گدھ" کی علامت کو بہت سے پیرائے میں برتا گیا ہے۔ اظہر اللغات کے مطابق "گدھ" (ہندی، اسم، مذکر) کا لغوی معنی چیل کی ایک قسم یا مردار کھانے والا پرندہ کے ہیں جب کہ ریختہ میں "گدھ" (سنسکرت، اسم، مذکر) کے معانی لمبی گردن والا ایک مردار خور پرندہ، چالاک اور مکار کے بیان کیے گئے ہیں۔ فارسی میں "گدھ" کے لیے "کرگس" اور انگریزی میں "vulture" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی ڈکشنری "کیمرج" کے مطابق "گدھ"، ایک بڑا پرندہ ہے جو مردہ جانوروں کا گوشت کھاتا ہے یا "گدھ" وہ طرزِ عمل بھی ہوتا ہے جو دوسرے لوگوں کی مشکلات یا کمزوریوں سے کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے بے چین ہوتا ہے۔ "گدھ" ہزاروں سالوں سے عملی، استعاراتی اور علامتی حوالوں سے انسانی ثقافت کا حصہ رہے ہیں اور ان کی علامت مختلف تہذیبوں میں وسیع پیمانے پر مختلف رہی ہے۔ یونانی کہانیوں میں، گدھوں کا تعلق دیوتا "زیوس" (Zeus) اور اس کی صفت "ایتوس ڈیوس" (Aetos Dios) سے جوڑا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے "زیوس کا عقاب" لیا جاتا تھا۔ یونانی تہذیب میں گدھ کو دیوتاؤں کا پیغامبر اور الٰہی طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ولیم اسمتھ، قدیم تہذیبوں کی بازیافت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" ایتوس ڈیوس، ایک بڑا، سنہری عقاب تھا جو زیورس کے ذاتی پیغام رسانی اور جانوروں کے ساتھی کے طور پر کام کرتا تھا۔"(۱۵)

آرتھر برناڈک، "یورس" کی تاریخ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"زیوس نے عقاب کو اس وقت نیک شگون اور خدائی امداد کے طور پر قبول کیا جب پہلی بار ٹائٹن کی جنگ سے پہلے یہ اس کے سامنے کامیابی کے استعارے کے طور پر دکھائی دیا تھا۔ مشہور ہے کہ بعد ازاں زیوس نے اسے آسمانوں کی سمت خوبرو نوجوان 'گینی میڈز' کو لینے کے لیے بھیجا تا کہ دیوتاؤں کا پیالہ بنائے۔"(۱۶)

قدیم مصری تہذیب میں، گدھوں کو مقدس پرندوں کے طور پر دیکھا جاتا تھا جو زچگی، تحفظ اور نسائی طاقتوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ مصری دیوی "نیک بخت" کو اکثر گدھ کے طور پر دکھایا جاتا تھا، اور خیال کیا جاتا تھا کہ وہ فرعونوں اور بالائی مصر کے لوگوں کی حفاظت کرتی ہے۔ ابتدائی عیسائی ادب میں، گدھوں کو بعض اوقات شیطان اور گناہ کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ تاہم، بعد کی تحریروں میں، گدھ قیامت اور ابدی زندگی کی امید سے وابستہ دکھائے گئے ہیں جہاں گدھ کی آسمان کی بلندیوں میں پرواز کی صلاحیت کو روح کے آسمان سفر کے استعارے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ افریقی تہذیب و ثقافت میں، بہت سی جگہوں پر گدھ کو موت اور تبدیلی کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ گدھ کے مردار گوشت کھانے اور اسے رزق میں تبدیل کرنے کی صلاحیت کو زندگی اور موت کے دائروں کی تفہیم کے لیے اہمیت دی جاتی ہے۔

"گدھ"، اردو ناول نگاری میں برتی جانے والی ایک ایسی علامت ہے جو اپنی سیاسی، سماجی اور نفسیاتی تہہ داریوں کے ساتھ ایک مکمل علامتی نظام کو پیش کرتی ہے جہاں کہانی اندر کہانی اور کرداروں پر کردار در کردار کی تجسیم کا معاملہ دراصل ایک مکمل علامتی نظام کا معاملہ ہے جو قاری کے سامنے بیک وقت کئی منظر وَا کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ علامتی نظام، عصری شعور کی نمائندہ ہوتا ہے جو ادب، تہذیب اور ثقافتی معیارات کو زندہ تہذیب و ادب کی کسوٹی پر پرکھتا اور سجاتا ہے۔ "گدھ" کی علامت اگرچہ اس کا استعمال

سیاق و سباق سے ہٹ کر تخلیقی ضرورت کی صورت اختیار کر سکتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی علامتی سطح پر مفاہیم کی ترسیل کا ایک موقر و موثر ذریعہ سمجھا گیا ہے جو وقت کے پھیر میں کہانی، کردار اور کہاوت سے نکل کر عالمی علامت کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ ناول، سماجی جڑت کا شاخسانہ ہے اور مجموعی طور پر اخلاقی اقدار میں خصوصی طور پر "حرام اور حلال" کے درمیان پائی جانے والی ایک باریک لکیر اور کش مکش کی کیفیتی تناؤ کو تلاش کرتا ہے۔ ناول میں نہ صرف اس تصور کی وضاحت کی گئی ہے بلکہ اس کی اثر پذیری کو مختلف شعبوں میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے بھی دکھای گیا ہے جہاں محبت، عشق، جنسی تعلق اور زندگی کے دیگر امور میں حلال و حرام کی تاثیر دکھائی گئی ہے۔ دوسری جانب ناول میں رزق حرام کے طویل مدتی نتائج کی وضاحت کرتے ہوئے، قاری کے مقابل معاشی دباؤ اور اخلاقی زوال کی بنیادی وجوہات جاننے میں معاونت کا سامان بھی کیا گیا ہے۔ یہاں رزق حرام کے انسانی خلیوں میں تبدیلی کے عمل پر منفی اثرات اور اس کے نتیجے میں پاگل پن اور بد عنوانی کا باعث بن جانے اور بعد ازاں اگلی نسلوں میں منتقل ہونے کو برتا گیا ہے۔

ناول "راجہ گدھ"، عصری تناظر میں سماجی اور معاشرتی حسیات کے درمیان ایک موثر اور مطابقت پیدا کرنے والا ناول ہے جس میں علامتیت، انسانی جذبات و کیفیات، سماجی رویوں اور رجحانات اور نفسیات کی اثر پذیر بیان کرتا ہے۔ درحقیقت یہ ان مسائل اور مشکلات کی عکاسی کرتا ہے جو پاکستانی معاشرے اور ثقافت میں اب بھی رائج اور اثر انداز ہیں۔ سماج، اخلاق اور احساس ذمہ داری کے موضوعات کی پیش کاری میں طبقاتی، صنفی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی عوامل کس طرح انسانی نفسیات اور اخلاقی اقدار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ ناول پاکستانی معاشرے کی روایتی اور قدامت پسند اقدار اور اصولوں پر جدیدیت، عالمگیریت اور مغربیت کے اثرات کی بھی عکاسی کرتا ہے جو زندگی کے معنی و مقصدیت، کیف و جنون کی نوعیت، حلال و حرام کی معاشی دباؤ میں تفہیم اور انسان و خدا کے درمیان تعلق کے حوالوں سے نفسیاتی، فلسفیانہ اور وجودیت کے حامل نکات کو بھی موضوع بناتا ہے۔

معاشی دباؤ اور معاشرے میں سماجی اخلاقیات کے زوال کے درمیان تعلق پیچیدہ اور کثیر جہتی ہے، جو معاشی حرکیات، معاشرتی اصولوں اور انفرادی رویوں کے پیچیدہ تعامل کی عکاسی کرتا ہے۔ معاشی قوتوں، مالی رکاوٹوں اور مسابقتی ماحول سے پیدا ہونے والے معاشی دباؤ اکثر ایسے مشکل حالات پیدا کرتے ہیں جہاں معاشی فائدے کے حصول میں اخلاقی اقدار سے سمجھوتہ کا امکان پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاشی دباؤ سماجی عدم مساوات اور تفاوت کو بڑھاتا ہے اور ایک ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جہاں افراد اور برادریوں کو معاشی کمزوریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ ایسے سیاق و سباق میں، بنیادی ضروریات کو پورا کرنے اور مالی استحکام کو محفوظ بنانے کا دباؤ افراد کو اخلاقی طور پر قابل اعتراض رویے: دھوکہ دہی، بد عنوانی، یا استحصال کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ معاشی تفاوت، معاشرے کے اندر اخلاقی اصولوں اور معاشی حقائق کے درمیان خلیج کو مزید وسیع کرتا ہے۔ اخلاقی فیصلہ سازی پر اثر انداز ہونے والے معاشی دباؤ کا یہ چکر معاشی قوتوں اور سماجی اخلاقیات کے درمیان پیچیدہ تعامل کھل کر سامنے آتا ہے۔ دوسری جانب معاشی دباؤ اور اخلاقی مخمصے، مادیت اور سماجی حیثیت کے حوالے سے انفرادی و اجتماعی توقعات اکثر معاشی کامیابیوں کو اخلاقی اقدار پر ترجیح دیتی ہیں اور ایک ایسی ثقافت کو فروغ دیتی ہیں جہاں معاشی کامیابی کو اخلاقی سالمیت سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ ثقافتی ذہنیت انفرادی یا اجتماعی طرز عمل، اور سماجی اصولوں پر اثر انداز ہوتی ہے، جس سے معاشرے میں مجموعی اخلاقی منظر نامے کی تشکیل ہوتی ہے۔ یوں معاشی دباؤ اور سماجی اخلاقیات کے زوال کے درمیان تعلق دراصل ثقافتی اقدار، سماجی توقعات، اور اقتصادی ڈھانچے کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جو عصری تناظرات میں اخلاقی انحطاط سے نمٹنے کے لیے جامع نقطہ نظر کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

مجموعی طور پر عصری تناظرات میں معاشی دباؤ اور اخلاقی زوال کے درمیان " راجہ گِدھ " ایک ایسا ناول ہے جو انسانی نفسیات، معاشرے اور روحانیت کی گہرا اور بصیرت انگیز کیفیات پیش کرتا ہے۔ ناول ایک ادبی شاہکار ہے جو مصنف کی تخلیقی صلاحیتوں، ذہانت اور اصلیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ناول کی اپنی خوبیاں اور کمزوریاں ہیں، ساتھ ہی اس کا اثر اور مطابقت بھی ہے، جو اسے پاکستانی ادب اور ثقافت سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے پڑھنے کے لائق اور قابل قدر بناتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ فاروقی، شمس الرحمن، شعر، غیر شعر اور نثر، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۱۹۹۸ء، ص:۱۳۹

۲۔ اشفاق، انیس، اُردو غزل میں علامت نگاری، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۵، ص:۱۳

3. Einstein, Albert (2016), Quotes from an Extraordinary Brain, New York, UB Tech, 2016, p:321.
4. Freud, Sigmund, Decoding Emotions: Master the Art of Appraising and Exhibiting Emotions in Daily Life, Edited: Akanksha Rastogi, Chennai, Notion Press,2021, p-138.

۵۔ حسین، سید احتشام، ادب اور سماج، بمبئی، کتب پبلشرز لمیٹڈ، ۱۹۴۸ء، ص:۱۷

6. Jung, Carl G.Man and his Symbols, New York, Anchor Press,1988, p.232.
7. Prescott, Frederick Clark, The Poetic Mind, Carolina, Lulu Press Publishing Company,2015, p. 226.

8. سوامی، آنند کے کمار، علامتوں کی تشریح، لندن، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۷، ص:۱۰۳

9. Greene, Roland, The Princeton Encyclopedia of Poetry and Poetics, Oxford, Princeton University Press,2012, p: 1395.

10. اشفاق، انیس ڈاکٹر، اردو غزل میں علامت نگاری، اتر پردیش، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص:۲۲

11. Langer, Suzanne K, Philosophy in a New Key, London, Harvard University Press,1957, p. 35.

12. نارنگ، گوپی چند،، فکشن شعریات، تشکیل و تنقید، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۹، ص:۲۸۰

13. احمد، شمیم، طلسم ہوشربا کی علامتی اہمیت، (مشمولہ)، نیا دور، کراچی، شمارہ ۳۳۔۳۴، پاکستان کلچرل سوسائٹی، ۱۹۶۴ء، ص:۳۰۹

14. کاسگنجوی، ڈاکٹر عبدالحق حسرت، (مقدمہ) بانو قدسیہ شخصیت اور فن، مصنفہ: عفت افضل، حیدر آباد، ادارہ انشاء، ۱۹۹۹ء، ص:۱۳

15. Smith, William, Dictionary of Greek and Roman Biography and Mythology, London, Anatiposi Verlag,2023, p-579.
16. Cook, Arthur Bernard, Zeus: A Study in Ancient Religion, Part 2, Cambridge, Cambridge University Press,1925, p-327

References in Roman Script:

1. Farooqi, Shams Al Rehman, Shair, Ghair Shair aur Nasr, New Dehli, Qaumi Council Baraye Farogh e Urdu Zabaan, 1998, p:139.
2. Ashfaq,Anees, Urdu Ghazal Mein Alamat Nigari, New Delhi, Ghalib Institute,1995, p:13.
3. Einstein, Albert, Quotes from an Extraordinary Brain, New York, UB Tech,2016, p. 321.
4. Freud, Sigmund,Decoding Emotions: Master the Art of Appraising and Exhibiting Emotions in Daily Life, Edited: Akanksha Rastogi, Chennai, Notion Press,2021, p-138.
5. Hussain, Syed Ehtisham, Adab aur Samaaj, Bombay, kutub publishers ltd,1948,p-17.
6. Jung, Carl G, Man and his Symbols, New York, Anchor Press,1988, p.232.
7. Prescott, Frederick Clark, The Poetic Mind, Carolina, Lulu Press Publishing Company,2015, p. 226.
8. Swamy, Anand K. Kumar, The Interpretation of Symbols, London, Princeton University Press,1977, p. 103.
9. Greene, Roland,The Princeton Encyclopedia of Poetry and Poetics, Oxford, Princeton University Press,2012, p. 1395.
10. Ashfaq, Anees Dr,Urdu Ghazal Mein Alamat Nigari, Utar Pradesh, Utar Pradesh Urdu Academy,1995, p:22.
11. Langer, Suzanne K, Philosophy in a New Key, London, Harvard University Press,1957, p. 35
12. Narang, Gopi Chand,Fiction ki Shairiyat, Tashkeel o Tanqeed, Dehli, Educational Publishing House,2009, p-280.
13. Ahmed, Shamim, Tilsam Hosh Ruba ki Allamti Ahmiyat, Mashmola: Naya Dor, Karachi, Shumara 33. 34, Pakistan Cultural Society,1964, p-309.
14. Kaskanjwi, Dr Abdalhaq Hasrat, Muqadma: Bano Qudsia Shakhsiyat aur Fun, Musanifa: Iffat Afzal, Haider Abad, Idaara Insha,1999, p-13.
15. Smith, William, Dictionary of Greek and Roman Biography and Mythology, London, Anatiposi Verlag,2023, p-579.
16. Cook, Arthur Bernard, Zeus: A Study in Ancient Religion, Part 2, Cambridge, Cambridge University Press,1925, p-327.